تعداد اشاعت ایک ہزار

تاریخ اشاعت مئی سنہ ۱۹۷۴ء

لاہور پریس دہلی

موہن میکنس کے مینجنگ ڈائریکٹر

پیکرِ اخلاق اور مجسمۂ شرافت

فداکارِ وطن

اور انسان دوست شخصیت

جناب میجر کپل موہن کے نام

آندھرا پردیش، غالبؔ، گورونانک، بوتراب

بت شکن اور رامائن کے اندر آپ نے اپنی زبان

دانی کے بڑے بڑے جوہر دکھائے ہیں لکھنؤ کی

سلیس اور فصیح زبان میں آپ نے سب کچھ کہہ دیا ہے

کیوں نہ ہو لکھنؤ کے اس خانوادے سے آپ کا

تعلق ہے جس نے ہر زمانے میں علم کا چراغ روشن کیا

ہے۔ بی گوپال ریڈی

راج بھون۔ لکھنؤ۔ ۲۸ مارچ ۱۹۷۲ء

ہے باغِ ایودھیا جو گلستانِ بے نظیر

شامل ہے اِس کی خاک میں اخلاق کا خمیر

دشرتھ تھا، اس چمن کا شہنشاہِ خوش خصال

تھا رام چندر اس کا پسر پیکرِ کمال

سیتا بہو تھی، طاعتِ شوہر میں انتخاب

سیرت تھی بے مثال تو کردار لاجواب

لچھمن وفا شعار پسر، مثلِ کارزار

فرزندِ جاں نثار بھرت، فخرِ روزگار

بیٹے تمام، باپ کے خدمت گذار تھے

آنکھوں کی روشنی تھے، جگر کا قرار تھے

دلکش تھی دلفریب تھی اِس باغ کی بہار

لیکن جہاں گلاب کھلے تھے وہیں تھے خار

رانی تھی ایک "کے کئی" دشرتھ کی خوشخصال

حسرت تھی اُس کی راج کرے اُس کا نونہال

اپنے پسر بھرت کی تھی مادر کے دل میں چاہ

رکھتی تھی وہ عناد کوشلیا سے بے پناہ

رانی یہ دوسری تھی، بڑی نیک، خوشخصال

تھا رام اُس کے باغِ تمنّا کا نونہال

تھی دل میں کیکئی کے عداوت بھری ہوئی

تھی سوت کی طرف سے کدورت بھری ہوئی

جلتی تھی دل میں رام کی صورت کو دیکھکر

پھنکتی تھی اس کی شانِ فضیلت کو دیکھکر

دشرتھ سے عہدِ پاسِ سخن اُس نے لے لیا

شوخی سے چال چل کے وچن اُسنے لے لیا

تھی رام سے بھرت کو محبت بہت، مگر

کیا ماں نے کھیل کھیلا ہے مطلق نہ تھی خبر

دشرتھ جو ناتواں ہوئے بیمار ہو گئے

لاحق تنِ ضعیف کو آزار ہو گئے

اک روز ہنس کے کیکئی بولی کہ اے حضور

ہر شخص یاد رکھتا ہے اپنا وچن ضرور

تھا آپ کا یہ قول کہ اے شاہِ نیک خو

پوری کرینگے آپ مری ایک آرزو

دشرتھ یہ بولے اپنا سخن یاد ہے مجھے

جو تم کو دے چکا وہ وچن یاد ہے مجھے

رب نے دیا ہے راج ہمارا قلب ہے غنی

سچ ہے ہر ایک بات کہ ہوں قول کا دھنی

اپنا خیال شوق سے مجھ پر عیاں کرو

جو آرزو ہے دل میں تمہارے بیاں کرو

چرنوں کو چھو کے کیکئی بولی بہ احترام

میں چاہتی ہوں آپ سے لے شاہ نیک نام

جنگل میں گھر سے رام کو بے آس بھیج دیں

چودہ برس کے واسطے بن باس بھیج دیں

یہ آرزو ہے میری کہ اے شاہِ خاص و عام

میرا پسر بھرت کرے شاہی بجائے رام

سُن کر بیان کیکئی دشرتھ پھڑک گئے

اشکوں سے دونوں آنکھوں کے ساغر چھلک گئے

بولے یہ رو کے تخم حسد تو نے بو دیا

میرے جگر میں زہر کا خنجر چبھو دیا

پھر جاؤں اپنے قول سے ممکن نہیں، مگر

تو نے کیا ہے وار مری جان و روح پر

بولی یہ کیکئی کہ اجازت سے آپ کی

میں نے کہی وہ بات جو میری مراد تھی

ہو آپ کو قلق تو مری ضد نہیں حضور

میں ہوں کنیز آپ کی، حاسد نہیں حضور

ایفائے عہد مردِ دلاور کا کام ہے

اہلِ وفا میں آپ کا اونچا مقام ہے

کیجیے زباں کا پاس کہ عزت مدام ہو

ہر دور میں وقار بڑھے، احترام ہو

گویائی کی تھی تاب نہ قوت بیان میں

چھالے پڑے کتنے سوزِ الم سے زبان میں

دشرتھ نے دل پہ ہاتھ رکھا اضطراب میں

آنسو اُبل اُبل پڑے غم کے جواب میں

بادِ خزاں سے جل گئی ہر ڈال باغ کی

جادو نے جیسے چھین لی قوت دماغ کی

دشمن تھے اُچھل گئے تخت سے یوں خاک پر گرے

جیسے کسی درخت کو آندھی اکھاڑ دے

★

روزِ ازل سے جنگ ہے ظلمت کی نور سے

شر جھانکتا ہے روزنِ ذہن و شعور سے

خود آدمی کے دل میں ہے ابلیس اِس طرح

لو پر چراغِ صبح کی کاجل ہو جس طرح

باطل نے ہر فساد کا گُر یاد کر لیا

حق کے خلاف فتنوں کو ایجاد کر لیا

ظلمت نے روشنی پہ کیا وار اِس طرح

چھاتی ہیں گھر کے بدلیاں سورج پہ جس طرح

ابلیس کی پکار سے گونجی فضا تمام

اے قاتلانِ نورِ سحر، حامیانِ شام

اے روشنی کے دشمنو ظلمت کے دوستو

آؤ بجھا دیں صدق و صفا کے چراغ کو

ابلیس کی پکار پہ خوں خوار آ گئے

کھنچ کھنچ کے ہر طرف سے ستم گار آ گئے

اہلِ خطا سے یوں کہا ابلیس نے سخن

اے خسروانِ جور، سلاطینِ مکر و فن

تم سے یہ کام ہے کہ قیامت بپا کرو

دشرتھ کی بادشاہی میں آفت بپا کرو

بیٹے کو باپ دشت میں بے آس بھیج دے

جوگی بنا کے رام کو بن باس بھیج دے

جنگل میں اہلِ خیر پہ بپتا نئی پڑے

راون کسی بھی حیلے سے سیتا ہرن کرے

کہہ دو یہ کنبھ کرن سے کہ راون کا ساتھ دے

جو بھی مدد ضرور ہو وہ میگھ ناتھ دے

چشمِ بشر میں شکلِ بشر کو بگاڑ دو

دھرتی پہ میرے نام کے جھنڈے کو گاڑ دو

خالق بشر کو مجھ پہ کبھی برتری نہ دے

اس پیکرِ کثیف کو پیغمبری نہ دے

باطل کو شاد، حق کو کرو خانماں خراب

آشیرواد میرا ہے راون ہو کامیاب

کھو جائے نورِ آنکھ کا شفقت کی آنکھ سے

بینائی جا کے چھین لو دہشت کی آنکھ سے

خاموش کر دو مشعلِ حق آن بان سے

لہرا دو جا کے پرچمِ باطل کو شان سے

☆

دشرتھ میں تابِ ضبطِ فغاں تھی نہ تابِ غم

ہر روز تھا سیاہ، تو ہر شب شبِ الم

پژمردہ دل، اداس طبیعت، جگر میں رنج

آنکھوں میں اشکِ گرم تھے ہونٹوں پہ آہِ سرد

لگتا تھا دل نہ گھر میں نہ دربارِ عام میں

آرام تھا نہ صبح میں، راحت نہ شام میں

صدمے کی آنچ چہرے پہ پڑتی تھی اِس طرح

آہن دہکتی بھٹی میں تپتا ہے جس طرح

اعضائے تن میں غم کے کھنچاؤ سے درد تھا

گرمی تھی خونِ دل میں مگر جسم سرد تھا

ہوتا بہِ گفتگو تو کوئی ماجرا کہے

یہ سوچتا تھا باپ کہ بیٹے سے کیا کہے

ہیجانِ غم کو دیکھ کے حالت میں باپ کی
پوچھا پسر نے کیسی طبیعت ہے آپ کی

جب گفتگو چھڑی تو وجوہِ الم کہے
جو سوجب خلش تھے وہ اسبابِ غم کہے

بیٹے نے سن کے باپ سے وجہِ ملال و غم
پاؤں کی خاک سر پہ رکھی چوم کر قدم

بولے پسر حضور کا خدمت گزار ہے
ہو طاعتِ پدر تو مری جاں نثار ہے

اُن کی خوشی ہے میری خوشی مجھکو غم نہیں

صحرا بھی مجھکو قلعۂ شاہی سے کم نہیں

ہو جانشین آپ کا، اِس کا الم نہیں

مجھ کو بھرت عزیز ہے مجھ سے وہ کم نہیں

عادل ہے منتظم ہے طبیعت سے نیک ہے

میں جانتا ہوں وہ بھی ہزاروں میں ایک ہے

ذی شان بھی، دلیر بھی ہے، پُر وقار بھی

میری طرح ہے آپ کا خدمت گذار بھی

رکھے گا یاد چودہ برس اپنے بھائی کو

محسوس ہونے دے گا نہ دردِ جدائی کو

سنتے ہیں نہ آپ، ماں کو مرا غم ستائے گا

اُن کی زباں پر حرفِ شکایت نہ آئیگا

اُس کی سرشتِ صبر کو پہچانتا ہوں میں

جس نے جنم دیا ہے اُسے جانتا ہوں میں

تھی گفتگو کہ باپ کے دل پر اثر نہ ہو

کثرت سے غم کی عمرِ پدر مختصر نہ ہو

کشتی غم کو وقت کے دھارے پہ چھوڑ کے

اُٹھا پئے سلام وہ ہاتھوں کو جوڑ کے

دل کے تمام داغ دیا بن کے جل پڑے

آشیرواد مانگا تو آنسو نکل پڑے

مادر سے کی جو اُس نے تشفی کی گفتگو

اشکوں کے بدلے آنکھ سے بہنے لگا لہو

بولی کہ میری موت کے دن آ گئے قریب

تم سے بچھڑ کے جی نہ سکے گی یہ بدنصیب

قسمت میں ہے جدائی مقدر میں ہے فراق

کیا زندگی کا کھیل ہے کیا وقت کا مذاق

مانا کہ تم کو باپ کا اتنا خیال ہے

لیکن تمہاری ماں بھی تو آشفتہ حال ہے

جوگی بنا کے نورِ نظر کو جدا کروں

میرے جگر میں آگ لگی ہے میں کیا کروں

آفت یہ میری جان پہ ڈھاتے ہیں کس لئے

ناخن سے میرا گوشت چھڑاتے ہیں کس لئے

میں کیا کروں گی کانٹوں بھرے تخت و تاج کو

ٹھوکر پہ مارتی ہوں حکومت کو راج کو

چاہیں جسے بھی دے دیں ریاست کا اختیار

لیکن پسر سے ماں کو چھڑائیں نہ بد شعار

ماں کا بیاں سُنا تو نظر کو جُھکا لیا

پلکوں نے آنسوؤں کا سمندر چُھپا لیا

چھو کر قدم کہا کہ یہی سرنوشت ہے

سچ ہے کہ ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

کیجئے گلہ نہ اہلِ جہاں کی سرشت سے

جو مجھ کو کر رہے ہیں جُدا اِس بہشت سے

کھتری ہیں آپ، آپ میں اعلیٰ صفات ہیں

صبر و ثبات و مہر و کرم جُزوِ ذات ہیں

آئے نہ آنچ صبر و تحمل کی شان پر

کھتری نثار کرتا ہے جاں اپنی آن پر

صورت تو میری آپ کی آنکھوں سے ہو گی دور

لیکن رہے گی روح مری آپ کے حضور

دامانِ صبر چاک نہ ہو اضطراب میں

دیکھا کریں گی آپ مجھے روز خواب میں

ہے کوئی عیب و نقص، نہ تقصیر خون میں

ہے آپ ہی کے دودھ کی تاثیر خون میں

ہر برگ و گل میں خاکِ گلستاں کا رنگ ہے

نشو و نما میں میری، مری ماں کا رنگ ہے

بیٹے کا ماں سے رشتۂ جاں ٹوٹتا نہیں

ظاہر میں چھوٹ کر بھی بسر چھوٹتا نہیں

تکلیف دے گی دھوپ نہ برسات کی گھٹا

سر پر رہے گی سایہ فگن آپ کی دُعا

رکھے گی مجھکو آپ کی شفقت پناہ میں

کانٹے ہٹا کے پھول بچھا دے گی راہ میں

بدلیں گے ماہ و سال شب و روز کی طرح

کٹ جائیں گے یہ چودہ برس بھی اسی طرح

قیدِ حیات دردِ مسلسل ہے روگ ہے

بیمار کا علاج اگر ہے تو جوگ ہے

سرمایۂ حیات و مآل بقا ملے

فرمایئے دعا کہ مجھے بھی شفا ملے

رخصت کریں خوشی سے بیاباں کے واسطے

عشرت کے ساتھ غم بھی ہیں انساں کے واسطے

دل ماں کا بے قرار ہوا مضطرب جگر

پہلو سے موجِ درد کی صورت اٹھا پسر

بیٹے کو اپنے چرنوں سے ماں نے اٹھا لیا

آشیرواد دے کے گلے سے لگا لیا

☆

جاتے ہیں بن کو رام زمانہ ہے سوگوار

ہے بوڑھا باپ دردِ جدائی سے بے قرار

فرزند کے فراق میں مادر ہے اشکبار

لیکن رواں ہے سمتِ بیاباں وہ حق شعار

اہلِ چمن کو تجھ سے بچھڑنا ہے ناگوار

ہر پھول سینہ چاک ہے اے شاہدِ بہار

☆

کہتی ہے رو کے ساری رعایا نہ جائیے

چودہ برس کو جانبِ صحرا نہ جائیے

ویران کرکے باغ کو شلیانہ جائیے

ہیں آپ ہی تو جانِ تمنّا نہ جائیے

لیکن پدر کے حکم کی تعمیل فرض ہے

تاخیر میں گناہ ہے تعجیل فرض ہے

★

سیتا ہیں ساتھ خدمتِ شوہر کے واسطے

موجِ نسیم جیسے گلِ تر کے واسطے

لچھمن ہے حفظِ جانِ برادر کے واسطے

فانوس جیسے شمعِ منوّر کے واسطے

ہے ساتھ حوصلہ بھی، ارادہ بھی شان بھی

اقبال بھی وقار بھی عزت بھی آن بھی

★

ڈیرہ سوادِ غم نے لگایا ہے دھوپ میں

ظلمت سمٹ کے آ گئی راون کے روپ میں

سامانِ جور و سازشِ آزار کر لیا

ظلمت نے روشنی کو گرفتار کر لیا

اک جوہری نے گوہرِ شہوار کھو دیا

باطل نے حق کے سینے میں کانٹا چبھو دیا

زخمی ہوئی ہے شانِ خودی غیرتِ ضمیر

عصمت کا نور خانۂ ظلمت میں ہے اسیر

ڈینگیں ظفر کی ظلم و ستم مارتا ہوا

راون چلا ہے رام کو للکارتا ہوا

باطل کا شہریار ہوں ظلمت کا تاجدار

دس سر ہیں بیس ہاتھ ہیں دیکھو مرا وقار

میرا مزاج برق ہے میرا وجود آگ

جب کھینچتا ہوں سانس تو پھنکارتے ہیں ناگ

پیتا ہوں جب لہو تو بجھاتا ہوں تشنگی

لرزاں ہے میرے نام کی ہیبت سے زندگی

چھایا ہوا ہوں میں شب دیجور کی طرح

گیتی کے دل میں پکتا ہوں ناسور کی طرح

اس شمعِ حق کی لو کو جہاں میں بجھا نہ دوں

راون نہیں جو رام کی ہستی مٹا نہ دوں

ناموسِ رام قید ہے زنداں میں اس طرح

دیکھوں تو نور لڑتا ہے ظلمت سے کس طرح

باندھی پئے جدال و وغا رام نے کمر

راون نے پائی قوتِ ادراک سے خبر

لنکا کی سمت آتے ہیں دو شیر اس طرح

طوفاں اُٹھا کے لے چلے کہسار جس طرح

پیشانیوں پہ نور کا پٹکا بندھا ہوا

جیسے کہ ماہتاب کا ہالہ بندھا ہوا

رُخ پہ جمالِ شوکتِ آدم لئے ہوئے

ہیں امتزاجِ شعلہ و شبنم لئے ہوئے

صحرا کو کوہسار کو دریا کو روند دیں

تیور یہ کہہ رہے ہیں کہ لنکا کو روند دیں

ہے نورِ حق سے ظلمتِ باطل ڈری ہوئی

گھبرا رہی ہے رات کہ پھر روشنی ہوئی

★

میدانِ جنگ میں ہوئی آراستہ سپاہ

نقّارہ و غا پہ پڑی ضربِ بے پناہ

فوجِ ستم میں چھایا ہے سنّاٹا صف صف

ہے رام کے جلال کی تنویر ہر طرف

دہلی ہوئی ہے جنگ کی دہشت سے کائنات

سہمے ہوئے ہیں موت کی ہیبت سے ذی حیات

بارش ہوئی سروں کی پڑی خون کی پھوار

وہ رام کی رجز سرِ میدانِ کارزار

میں حق کا شہریار صداقت کا تاجدار

انصاف میرا کام شرافت مرا شعار

بستی میں رنگ و نور کی خوشبو کا باغ ہوں

روشن ہے جس سے سارا جہاں وہ چراغ ہوں

پیغمبرِ وفا ہوں رسولِ ثبات ہوں

آئینۂ کمال میں نقشِ صفات ہوں

ہوں دشمنِ گناہ، عدوئے ستم ہوں میں

لیکن وفا کے باغ میں ابرِ کرم ہوں میں

راون کی شمعِ زیست کی لَو کو بجھا نہ دوں

کہنا نہ مجھکو رام جو باطل مٹا نہ دوں

سیتا چھٹیں گی خانۂ زنداں سے اِس طرح

بدلی سے آفتاب نکلتا ہے جس طرح

ناوک چلے تو خون کے دھارے اُبل پڑے

لنکا کے بام و در سے شرارے اُبل پڑے

آخر تمام قصۂ افسونِ شب ہوا

راون لہو میں ڈوب کے بولا، غضب ہوا

سیتا ستم کی قید سے نکلی ہیں اِس طرح

دامانِ شام تار سے خورشید جس طرح

پھر جھکنا چور کا سر جور و ستم ہوا

پھر سر بلند مہر و وفا کا علم ہوا

پھر تیرگی کے سر کو جھکایا ہے نور نے

پھر مات کھائی صبر و رضا سے غرور نے

دامن شفق کا خونِ شبِ غم نے بھر دیا

تاریکیوں کو نور نے پامال کر دیا

انصاف و امن و خیر کے دشمن کو مار دو

ہر دور کی پکار ہے راون کو مار دو

باطل پہ حق کی جیت نوید سعید ہے

یہ فتحِ رام سارے زمانے کی عید ہے

اس عہد میں تجلّی صبر و رضا بھی ہے

تسلیم کا شعور بھی پاسِ وفا بھی ہے

یہ طاعتِ پدر کی ہے تمثیلِ لاجواب

اس عہد میں مہکتے ہیں ایثار کے گلاب

بھائی کے ساتھ بھائی کے اخلاص کی مثال

اس عہد میں ہے صورتِ تہذیب کا جمال

یہ عید، عہدِ خدمتِ شوہر کی عید ہے

یہ عید ہر زمانے میں ہر گھر کی عید ہے